مواعظ اختر

نمبر ۳۵

درسِ محبتِ الٰہیہ



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادارۂ تالیفاتِ اختریہ

hazratmeersahib.com





درسِ محبتِ الٰہیہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی
www.hazratmeersahib.com



بہ فیضِ صحبتِ ابرارؔ یہ دردِ محبت ہے
محبت تیرا صدقہ ہے ثمر تیرے نازوں کے

بہ اُمیدِ نصیحت دوستو اس کی اشاعت ہے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنہ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: درسِ محبتِ الٰہیہ

نامِ واعظ: محبی ومحبوبی مرشدی ومولائی سراج المِلّت والدِّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ قطب زماں مجددِ دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ: ہفتہ، ۱۲ محرم، ۱۴۰۸ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۸۷ء

مقام: جدہ، سعودیہ

موضوع: روحانی تربیت

مرتب: حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب دامت برکاتہم
خادمِ خاص وخلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا

اشاعتِ اوّل: ۱۲ محرم ۱۴۳۶ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۱۴ء

ناشر: اِدارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات **صفحہ نمبر**



درسِ محبتِ الٰہیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

جو گناہوں سے اپنا جی خوش کرتا ہے کہ واہ واہ کیا خوبصورت لڑکی ہے، کیا حسن ہے، سوچو اس کو کہ اللہ آسمان پہ ناراض ہورہا ہے، ہمارا وجود اللہ نے بنایا، ہم کھانا پینا اسی کا دیا کھاتے ہیں، اگر خدا فضل نہ کرتا تو ہم وجود بھی نہ پاتے، وہ ہمارے وجود کے موجد ہیں، ہم اس کے کرم سے موجود ہوئے ہیں ورنہ ہم معدوم تھے۔

تمام خلق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے

تو ایسے پالنے والے کریم مالک کی نافرمانی کرنا زہرِ قاتل ہے اور گناہ کرنے والے کا ضمیر خود سمجھ لیتا ہے کہ یہ میں غلط کررہا ہوں۔ مثال کے طور پر ایک شخص آپ کے سامنے آپ کے بچوں کی تعریف کرتا ہے اور پسِ پشت جا کر کہتا ہے میاں ان کے لڑکے ایسے ہیں ویسے ہیں، اگر یہ خبر باپ کو ہوجائے تو وہ کیا کہے گا کہ یہ میرا کیسا دوست ہے؟ تو جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے سامنے خوب تعریف کررہا ہے مگر غائبانہ اسی پہ تبصرہ کرتا ہے، یہ بیوقوف ہے۔ آپ سوچیے حدیث میں آتا ہے:

((اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ))

(مشکاۃُ المصابیح، کتابُ الاداب، بابُ الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ص:۴۲۵)

مخلوق اللہ کی عیال ہیں۔ جب آپ اپنی اولاد کے بارے میں اس کو برداشت

نہیں کرسکتے تو حق تعالیٰ اپنی خلق کے بارے میں برائی کرنے والے کو کیسے اپنا ولی بنالیں گے۔ آپ اس کو بری نظر سے دیکھ رہے ہیں، کسی کی بیٹی کو آپ بری نظر سے دیکھئے تو اس کا باپ آپ کو اپنا دوست بنائے گا؟ کسی کا بیٹا حسین ہو، ذرا اسے بری نظر سے دیکھئے، باپ کا دل چاہے گا کہ اس خبیث کی آنکھ نکال دوں۔ لیکن آج ہم اللہ کی مخلوق کے بارے میں بے دریغ جو چاہتے ہیں برے خیالات کا مزہ لے لیتے ہیں، تصورات کی دنیا میں کتنے خبیث خیالات آتے ہیں۔ اسی لئے ایسی لذت خبیث سے مزے اڑانے والا اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔ پروردہ مستلذات خبیثہ یعنی خبیث لذت کی درآمدات، حرام خوشیوں کی درآمدات کو مستلذاتِ خبیثہ کہتے ہیں، تو یہ کیسے اللہ کا مقرب ہوگا؟

غیبت کے زنا سے اشد ہونے کی وجہ

اسی طرح غیبت کو زنا سے بھی زیادہ اشد فرمایا:

((اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا))

(مشکوٰۃُ المصابیح، کتابُ الأداب، باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم، ص:۴۱۵)

یہ تو زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اللہ کا بہت ناپسندیدہ عمل ہے۔ دیکھو! اپنا بیٹا کتنا ہی نالائق ہو اور باپ اسے ڈانٹتا بھی ہو مگر وہ یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ میرے بیٹے پر محلہ میں کوئی دوسرا تبصرہ کرے، اس سے اس کا دل پھٹتا ہے۔ اسی طرح اللہ کو حق ہے کہ اپنے بندوں کو ڈانٹے مگر تم کیوں اس پر تبصرہ کرتے ہو؟ اگر آپ کو واقعی اخلاص ہے تو آپ اس کو ادب واحترام سے سمجھاؤ، اس کے لئے دعائیں مانگو، روؤ کہ اے اللہ! وہ بے نمازی ہے اسے نمازی بنادے، روؤ، آنسو گراؤ، اس کے بعد دیکھو کیسا نور بڑھتا ہے۔

غیبت اور بہتان میں فرق

ارے میاں یہ نہیں کہ سالکین کی زبان پر ذکر بھی ہے اور ساتھ ساتھ غیبت بھی اور کہتے ہیں کہ حق بات کہنے میں کیا حرج ہے؟ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اگر واقعی یہ عیب اس میں ہو؟ فرمایا تب ہی تو غیبت ہے اگر اس کے اندر وہ عیب نہیں تب تو بہتان ہو جائے گا۔ غیبت کے معنی ہیں کہ اس میں وہ عیب موجود ہو اور تم اس عیب کی برائی کر رہے ہو اور اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے اور تم عیب لگا رہے ہو تو بہتان ہو جائے گا۔ تو کسی کی غیبت اسی لئے حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ میرے بندوں پر تبصرے کئے جائیں، یہی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے انتہائی محبت ہے، جیسے باپ نہیں چاہتا ہے کہ میرے بیٹے اگرچہ نالائق ہوں، جواری شرابی ہوں لیکن باپ اس کو پسند نہیں کرے گا کہ کوئی دوسرا اس کو برا کہے۔ اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت کی کیا شان ہے!

توبہ کرنے سے گناہوں کے چاروں گواہ ختم کر دیئے جاتے ہیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس وقت بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جس زمین پر اس سے گناہ ہوا ہے، اس کی رِیل بھی صاف کر دیتے ہیں:

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾

(سورۃ الزلزال، آیت:۴)

سورۂ زلزال میں ہے کہ قیامت کے دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی، تو اللہ تعالیٰ اس زمین کی رِیل کو گناہوں سے صاف کر دیتے ہیں،

اِذَا تَابَ الْعَبْدُ اَنْسَى اللهُ الْحَفَظَةَ ذُنُوْبَهٗ وَاَنْسٰى ذٰلِكَ جَوَارِحَهٗ وَمَعَالِمَهٗ مِنَ الْاَرْضِ حَتّٰى يَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَاهِدٌ مِّنَ اللهِ بِذَنْبٍ

(مرقاۃ: کتاب الدعوات، ج۵، ص۹؛ جامع صغیر: ج۱، ص۲۱)

اور فرشتے جو گناہ نوٹ کرتے ہیں اس کو بھی صاف کر دیتے ہیں۔

اَنْسَی اللّٰہُ الْحَفَظَتَہٗ

فرشتوں کو معافی مانگنے والے بندہ کا گناہ بھلا دیتے ہیں، یعنی ملائکہ اور کاتبین سے بھی اللہ تعالیٰ بھلا دیتے ہیں، ان کے دماغ سے رِیل کو ختم کر دیتے ہیں، نامہ اعمال سے اور اعضاء سے بھی یعنی جن اعضاء سے گناہ صادر ہوا ہے ان کو بھی گناہ بھلا دیتے ہیں چونکہ قیامت کے دن اعضاء بھی بولیں گے، سورۂ یٰسٓ میں ہے:

﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾

(سورۃ یٰسٓ، آیت:۶۵)

قیامت کے دن زبان پر تالا لگے گا اور تمہاری آنکھیں بولیں گی کہ یہ مجھ سے بدنگاہی کراتا تھا، یہ خبیث لذتوں کو درآمد کرتا تھا، خبیث لذت کو درآمد کرنے سے دل بھی خبیث ہو جاتا ہے، ہر خبیث چیز دوسرے کو بھی خبیث بنا دیتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ﴾

(سورۃ الانبیاء، آیت:۷۴)

یہ قومِ لوط عملِ خبیث کیا کرتی تھی۔

استقامت علی الدین ہزار کرامات سے افضل ہے

ایک شخص حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دس سال رہا اور اس نے کہا مجھے آپ میں کوئی کرامت نظر نہیں آئی، اس لیے اب میں جا رہا ہوں، میں آپ کو ولی تسلیم نہیں کرتا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ بیشک تم چلے جاؤ لیکن میرے ایک سوال کا جواب دیتے جاؤ، دس سال کے اندر تم نے میرا کوئی عمل سنت کے خلاف دیکھا؟ کسی گناہ میں مجھے مبتلا دیکھا؟ اس نے کہا

کہ دس سال کے اندر میں نے ایک سانس بھی آپ کو اللہ کی نافرمانی کرتے نہیں پایا اور آپ اتباعِ سنت میں مشغول رہے۔ فرمایا کہ آہ! جس جنید نے دس سال تک اپنے مالک کو ایک لمحہ کے لئے ناراض نہیں کیا، اس سے بڑھ کر کیا کرامت چاہتے ہو؟ جس غلام نے دس سال تک اپنے مالک کو ایک لمحہ بھی ناراض نہ کیا ہو کیا یہ معمولی کرامت ہے؟ آج کل تو عموماً خانقاہوں کا تصور یہی ہے کہ ضربیں لگالو اس کے بعد چاہے تاش کھیلو، چاہے بدنگاہی کرو یا غیبت کرو۔ یہ کیا بات ہے، اس نے تصوف کو سمجھا ہی نہیں، تصوف نام ہے اس کا کہ زمین پر اللہ کا غلام چل رہا ہے اور ہر وقت اس کی نظر اپنے آسمان والے مالک پر ہے کہ وہ میرے ہر قدم کو دیکھ رہا ہے۔ تو ہمیں کس طرح چلنا چاہیے، ہم جس اللہ کی گفتگو کر رہے ہیں اس کی نسبت ہماری گفتگو میں محسوس ہو کہ یہ اللہ کا بندہ ہے، اگر میں کسی کا اکرام کر رہا ہوں تو اس لئے کہ یہ میرے اللہ کا بندہ ہے، میرے پاس اللہ کے لئے آیا ہے، ہم اس لئے کھلا رہے ہیں کہ یہ مہمان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اس وقت میرے پاس ملنے کے لئے آیا ہے۔

نعمت میں مشغول ہونے سے پہلے منعم کو دیکھو

اسی طرح بیوی کو دیکھو تو پہلے اللہ پر نظر رکھو کہ یہ میرے اللہ کی بندی ہے، شریعت اور قانون کے لحاظ سے اس نے نکاح کے چند کلمات سے حلال کیا ہے لیکن یہ اللہ کی بندی بھی ہے، بچوں کو دیکھو تو یہ سوچو کہ یہ اللہ کے دیئے ہوئے ہیں، کتنے لوگ تعویذ پی پی کر تھک گئے مگر اولاد نصیب نہیں ہوئی حالانکہ طبی لحاظ سے بالکل صحیح ہوتے ہیں۔ تو زمین پر کوئی چیز دیکھنے سے پہلے آسمان پر نظر کرو پھر زمین پر آؤ۔ زمین پر رہنے کی لذت اور جینے کی لذت ان کو حاصل ہے جو خالقِ ارض وسماء سے، اپنی حیات کے خالق سے ہر وقت رابطہ رکھتے ہیں۔ ایک

نظر اوپر اور ایک نظر نیچے دیکھنا سیکنڈوں کا کام ہے، لمبا چوڑا کام نہیں ہے، بس ایک تخیل ہوتا ہے کہ یہ میرے اللہ کا بندہ ہے، یہ میرے اللہ کی بندی ہے، یہ بچے میرے اللہ نے دیئے ہیں اور کھانا جو کھا رہے ہیں یہ میرے اللہ کا دیا ہوا ہے۔ بس اسی کا نام نسبت مع اللہ ہے، جو رسوخِ نسبت ہے، ایک ہے نسبت مع اللہ تخیلاتی اور تصوراتی اور ایک ہے رسوخِ نسبت اور اسی کے لیے اہل اللہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

یقینِ کامل اہل اللہ کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے

کیونکہ سو برس کی عبادت سے وہ یقین عطا نہیں ہوتا جو اہل اللہ کی صحبت سے مل جاتا ہے کیونکہ ان کے قلب کا یقین آپ کے قلب میں منتقل ہو جاتا ہے، جیسے خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑ لیتا ہے، دیسی آم لنگڑے آم کے پیوند سے لنگڑا آم بن جاتا ہے ورنہ اس نے کون سے مجاہدے کئے، خالی لنگڑے آم سے تعلق ہو گیا، ہر وقت لنگڑے آم کے ساتھ لگا ہوا ہے،، دیسی آم کی شاخ لنگڑے آم کی شاخ سے پیوند ہے، آہستہ آہستہ لنگڑے آم کی سیرت اس میں منتقل ہو گئی، اور اسے خبر بھی نہیں ہے، کچھ دن کے بعد اس کا نام بدل گیا، اب یہ لنگڑا آم ہے، کیونکہ اس نے اپنے کو فنا کر دیا، اگر اپنا وجود باقی رکھے گا، اپنی رائے چلائے گا تو دیسی آم لنگڑا آم نہیں بن سکتا۔ اس لئے سائنسدان لوگ اس کے نیچے کی شاخوں کو کاٹتے رہتے ہیں، اب دیسی آم لنگڑا آم ہو گیا، لہٰذا اگر انسان اپنے نفس کو فنا کر کے بزرگوں کی صحبت اٹھا لے تو وہ بھی اللہ والا بن جائے گا ان شاء اللہ۔ اور وہ نفس کو کس طرح فنا کرے؟ نوافل میں؟ وظیفوں میں؟ ذکر میں؟ ان چیزوں میں فنا نہیں کرنا کہ اگر پیر کہہ دے کہ مغرب کی تین رکعات کے بجائے ساڑھے تین پڑھو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے، شریعت میں، قرآن وحدیث

میں دخل دینا اس کا کام نہیں ہے جیسے قرآن میں نمازیں پانچ وقت کی ہیں اگر وہ کہے کہ چھ وقت کی پڑھو تو بولئے یہ کوئی پیر ہے، یہ پیر ہے یعنی پاؤں ہے، اس کے ذمہ صرف یہ ہے کہ تمہارا اخلاقی علاج ہو، اگر وہ غصہ پر تجویز کردے کہ غصہ کا علاج یہ ہے کہ پانچ روپیہ خیرات کرنے پڑیں گے، بدنگاہی پر تجویز کرتا ہے کہ دوریال خرچ کرنا اور دو رکعات توبہ پڑھنا، اس پر اگر مرید یہ کہے کہ صاحب یہ تو پیری مریدی کی باتیں ہیں تو پھر ایسے شخص کی اصلاح نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ تو علاج ہے، ہر شیخ نائبِ رسول ہونے کی وجہ سے معالجِ روحانی ہے۔ تو پیر کو ان معاملات میں دیکھو۔

مستلذاتِ محرّمہ کا تدارک

عشرت میاں! اب دو تین بہت اہم جملے نوٹ کرلو۔ بعض وقت میں عطا ہوتے ہیں نمبر ۱ جو غلام اپنے مالک کی ناخوشی کی راہوں سے اپنا جی خوش کررہا ہے وہ کیسے اس مالک کا دوست بن سکتا ہے؟ یہ جملہ نوٹ کرلو، بعض وقت اللہ تعالیٰ معانی بمع الفاظ عطا کرتے ہیں، یہ آپ لوگوں کی برکت ہوتی ہے، اب یہ الفاظ دیکھو، ان میں کتنا اثر ہے کہ جو غلام اپنے مالک کی ناخوشی کی راہوں سے اپنا جی خوش کررہا ہے وہ کیسے اپنے مالک کا ولی اور دوست ہوسکتا ہے۔ اس جملہ میں شعریت ہے، نثر ہوکر بھی شعر سے زیادہ لذت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عنایت ہوتی ہیں اس میں واقعی بہت اثر ہوتا ہے۔ تو جو غلام اپنے مالک کی ناخوشی کی راہوں سے اپنا جی خوش کررہا ہے، وہ کیسے اپنے مالک کا دوست اور ولی ہوسکتا ہے؟ لہٰذا جو حرام خوشی نگل گیا استغفار کرکے اس کو قے کردے، جو ندامت کے آنسو بہائے گا تو یہ آنسو جو اُس کے سینہ سے برآمد ہوں گے، اس کے حرام درآمدات کا تدارک ہوں گے۔ دیکھئے! یہ سارے الفاظ میرے مالک کی عطا ہیں یا نہیں؟ یعنی اس نے جو حرام لذت استیراد کی تھیں اس پر ندامت سے رو رہا ہے۔ میں

اس کو درآمدات محرمہ، مستلذات محرمہ کہتا ہوں، تو اس پر استغفار اور تلافی کرلو، کیونکہ خطا تو انسان سے ہوجاتی ہے لیکن پھر توبہ کر کے خیر الخطائین بن جاؤ پھر دیکھو بندگی کا مزہ۔

انسان کی ایک سانس کی قیمت

میں نے ایک جملہ اور کہا تھا کہ زمین پر جینے کا مزہ اور زمین پر رہنے کی لذت جب ہے کہ خالقِ سموات والارض اور خالقِ حیات پر ہر وقت نظر رکھو کہ میری کوئی سانس اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں استعمال ہو رہی، پھر وہ زندگی کے ہر سانس کا شکر ادا کر رہا ہے، اگر ایک سانس بھی غفلت میں اور نالائقی میں گذاری، تو ایک سانس بھی بڑی چیز ہے، ایک ہی سانس میں کفر ہوسکتا ہے اور جہنم واجب ہوسکتی ہے اور ایک ہی سانس میں کلمہ پڑھ کر جنتی بن سکتا ہے۔تو انسان کی زندگی کے ایک ایک سانس کی بڑی قیمت ہے۔ایک سانس میں اس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر کلمہ پڑھ لیا اور جنت میں چلا گیا۔اسی طرح ایک ہی سانس میں کہا کہ ارے کچھ نہیں ہے خدا وغیرہ سب ایسے ہی ہے نعوذ باللہ، تو بس کافر ہوگیا اور جہنم میں چلا گیا، ابھی کعبہ شریف کے سامنے تھا اور ایک ہی سانس میں کسی حسین کے حسن پر نظر پڑگئی اور دل کا کعبہ بدل گیا، ایک شاعر نے اپنے دنیاوی معشوق کے عشق میں کہا کہ ؎

کوئے جاناں سے خاک لائیں گے
اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

کیا نالائقی ہے، جو اپنا کعبہ الگ بنائے گا تو ایسے جوتے پڑیں گے کہ سب جاناں رہ جائیں گے۔ یہ لوگ زندگی بھر پریشان ہیں، جو اللہ سے کٹے ہوئے ہیں اور غیر اللہ سے جڑے ہوئے ہیں، ان کی ہر سانس عذاب میں ہے۔

اصلی مرید کون ہے؟

اس لئے میں ایسے شعر کہتا ہوں تاکہ لوگ عشقِ مجازی سے باز آجائیں، کم سے کم سالکین کیونکہ ان کا ارادہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مل جائے،

یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ

(سورۃ الکھف، آیت ۲۸)

یہ لوگ مریدین ہیں، یُرِیۡدُوۡنَ سے مریدوں کا ثبوت ملتا ہے، تم لوگ کہو گے کہ مریدوں کا لفظ کہاں آیا؟ قرآن میں دیکھ لو، یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ، تو یُرِیۡدُوۡنَ کا فاعل کیا بنے گا؟ مُرِیۡدُوۡنَ۔ یُرِیۡدُ واحد ہے اس کا فاعل مُرِیۡدٌ بنے گا، یُرِیۡدُوۡنَ جمع ہے اس کا فاعل بھی جمع یعنی مُرِیۡدُوۡنَ ہوگا۔

مریدین یعنی جنہوں نے اللہ کا ارادہ کیا ہے، وہ ہیں اصلی مریدین، اصلی مرید وہ ہے جو اللہ کا ارادہ کرتا ہے، لہٰذا عشقِ مجازی سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے زندگی بھر اسی موضوع پر بیان کیا ہے کہ ان کالے بالوں اور گورے گالوں سے بچو، ان حسینوں کے یہ سب دانت ٹوٹنے والے ہیں، پھر وہ بلائیں گے بھی تو نہیں آؤ گے اور ان کے کالے بال سفید ہونے والے ہیں اور کالے بال جب سفید ہوں گے تو لاکھ کیمیکل لگاتے رہو، کچھ نہیں ہوگا، لہٰذا جسم فانی پر اگر مرے تو مردہ مردے پر مردہ ہوگیا، اس کو کیا ملا؟ ایک مردہ نے دوسرے مردے سے لپٹ کر جان دے دی تو اسے کیا ملا؟ دونوں حیات سے محروم ہوگئے، اگر دنیا میں کوئی مردہ کسی مردے سے لپٹا ہوا ہو تو آپ اس پر ہنسیں گے لیکن اپنے اوپر نہیں ہنستے کہ چلتے پھرتے مردوں سے دل لگا رہے ہو، لہٰذا میرا بہت تازہ شعر ہے اس کو نوٹ کرلو۔

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغز دماغ میں کھونٹے
بتاؤ عشق مجازی کے مزے کیا لوٹے

یہ جو ٹیڈیوں سے دل لگا رہے ہیں، سنیما وی سی آر دیکھ رہے ہیں، ان کی زندگی غیر اللہ سے کتنی عذاب میں ہے، ہر وقت اختلاج اور پریشانی ہے کیونکہ دل کی ہے پسندیدہ چیز، ہر حسین مل تو نہیں سکتا اور مخلوق کا خوف بھی ہوتا ہے۔

حضرت والا کا اندازِ دلپذیر

تو اس فقیر کو داد دو، بزبانِ ملّا ایسے اشعار کم یاب ہیں، میں نایاب ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا، ورنہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا فضل اپنے اوپر بہت خاص دیکھتا ہوں لیکن احتیاط کرنے کا حکم ہے کہ کم یاب ہے، تو مسٹروں کے شعر میں وہی حسن پرستی کی گندگی اور مردہ پرستی ہوتی ہے، اگر وہ عاشق مزاج شاعر ہے تو مردے ہی کی تعریف کرے گا، وہ لوگوں کو زلفِ یار میں پھنسائے گا اور اس کے بعد جب اس کی چٹیا بڈھے گدھے کی دم ہو جائے گی تو آخر میں اسی حسین کو کہے گا کہ اس ظالم نے مجھے بڈھے گدھے کی دم میں باندھ دیا ہے، جیسے کہتے ہیں نا کہ تیری دم میں رسی باندھوں، تو نے بڈھے گدھے کی دم میں رسی باندھ دی، لہٰذا میرا یہ شعر نوٹ کر لینا، یہ ابھی تازہ ہوا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جوان بچے کچھ دن اختر کے ساتھ رہیں کہ یہ میرے شیخ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کی تجویز ہے۔ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم حیدرآباد دکن تشریف لے گئے، وہاں ایک نواب صاحب جنہوں نے زمین وقف کی ہے، ان کا لڑکا، بڑی بڑی مونچھیں اور عجیب حالت تھی، بس وہ یہ سن کر کہ پاکستان سے کوئی آیا ہے، میری ایک تقریر سنی، اس کے بعد اس پر بہت اثر ہوا چونکہ میں نے اس کو اشعار سے اتنا مست کر دیا اور حُسنِ مجازی کی فنائیت بیان کی کہ اس کو پتہ چل گیا کہ اللہ کے راستہ میں بھی مزہ ہے بلکہ زیادہ باقی اور ہمیشہ رہنے والا مزہ ہے۔ پھر وہ اپنے گھر سے بستر اُٹھا کر لے آیا، حالانکہ نواب زادہ تھا مگر زمین پر سویا، جہاں میری چارپائی بچھی ہوئی تھی، میں صحنِ مدرسہ میں چارپائی

پر اور وہ زمین پر سویا۔

بڑی بڑی مونچھیں رکھنے پر حدیث پاک کی وعید

اور اس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ ایک دن میں نے مونچھوں پر ایک حدیث بیان کردی:

((مَنْ طَوَّلَ شَارِبَهٗ عُوْقِبَ بِأَرْبَعَةِ اَشْيَآءٍ لَا يَجِدُ شَفَاعَتِيْ وَلَا يَشْرَبُ مِنْ حَوْضِيْ وَيُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهٖ وَيَبْعَثُ اللهُ اِلَيْهِ الْمُنْكَرَ وَالنَّكِيْرَ فِيْ غَضَبٍ))

(اوجز المسالك الی مؤطا امام مالك، باب ما جآء فی السنة فی الفطرة، ج:۱۴، ص:۲۳۳)

جو اپنی مونچھیں لمبی کرے گا وہ میری شفاعت نہیں پائے گا اور میرے حوضِ کوثر سے پانی نہیں پیئے گا اور قبر میں عذاب ہوگا، منکر نکیر اس کے پاس غضب ناک ہوکر آئیں گے۔ اس کے بعد ایک دن دیکھتا ہوں کہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستا ہوا آرہا ہے تا کہ لوگ پہچانیں نہیں۔

آستیں بررو کشیدہ ہمچو مکار آمدی

جب اس نے ہاتھ ہٹایا تو میں نے دیکھا کہ اس کی مونچھیں صاف تھیں۔ پھر پانچوں وقت کی نماز پڑھنے لگا، میرے شیخ بہت خوش ہوئے کیونکہ اُس کا باپ مدرسہ کا محسن تھا، مدرسہ کے نام زمین وقف کی تھی۔ حضرت والا اتنے متاثر ہوئے کہ لوگوں سے کہنے لگے کہ نوجوان بچوں کو اصلاح کے لئے کچھ دن اختر کے ساتھ کردو۔ میں نے شیخ کے حسنِ ظن کے واسطہ سے دعا کی کہ اے اللہ! میرے شیخ کے اس حسن ظن کو بحال فرما، میں جوانوں کی جوانی کو اللہ تعالیٰ پر فدا کرانا چاہتا ہوں تا کہ ان کی خاک کسی خاک پر خاک ہوکر برباد نہ ہوجائے۔

حسنِ فانی کی تباہی کا منظر

آخر میں تو سب کو عقل آجاتی ہے مگر بعد بربادی کے۔ جب گورے گال

نہ رہیں گے بلکہ پچک جائیں گے، اندر دھنس جائیں گے اور دانت ٹوٹ جائیں گے، حسن تباہی کا شکار ہوجائے گا، حسن کی تباہی کا منظر کچھ نہ پوچھو ؎

حسنِ رفتہ کا تماشا دیکھ کر
عشق کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے

یہ میرا ہی شعر ہے، ذرا دیکھو کیسے چٹ پٹے اشعار ہیں، حسن فانی کا تماشہ دیکھ کر کہ جب گال پچک گئے، دانت ٹوٹ گئے، کالے بال سفید ہوگئے تو اس وقت کیا ہوتا ہے؟ عشق کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ عشق کیا کہتا ہے کہ یا اللہ! یہ وہ صورت ہے جس پر ہم نے اپنی زندگی ضائع کردی، ہاتھوں کے طوطے اڑنا اردو کا محاورہ ہے یعنی انتہائی پریشان ہوگیا۔ بدنظری کا یہ مرض سب کو ہے، اس کا عمر سے کوئی تعلق نہیں، اسّی برس کا آدمی جس کا بچپن سے عاشقانہ مزاج ہو، وہ سترّ سال میں بھی ویسے ہی رہے گا، دل تھوڑی بدلتا ہے، جسم بدلتا ہے، نفس کے بال اندر سے کالے ہی رہتے ہیں، جسم کے بال باہر کے سفید ہوجاتے ہیں، لہٰذا ان سفید بالوں سے دھوکا نہ کھاؤ۔ اس پر میرا ایک شعر سنو ؎

دھوکا نہ کھائیو کسی ریشِ سفید سے
ہے نفس نہاں ریش مسود لیے ہوئے

نفس صاحب اندر کالی ڈاڑھی لئے ہوئے بیٹھے ہیں، ذرا ان سے ہوشیار رہنا ؎

جن کو میں نے سجن بنایا تھا
میں نے جن کو بھجن سنایا تھا
میر ان کے سفید بالوں نے
عشق کا میرے کفن بنایا تھا

یہ میرا ہی شعر ہے مگر درد بھرے دل سے پیش کرتا ہوں کہ جوانو! اپنی جوانی کی قدر کرو، میں تمہاری جوانی کو خدا پر فدا کردینے کی دعوت دے رہا ہوں، تمہارے عالمِ شباب کو اللہ کی طرف یعنی خالقِ شباب کی طرف متوجہ کررہا

ہوں۔ اختر نے الحمدللہ سترہ سال کی عمر میں شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی، جوانی دینے کا مزہ لوٹ کر دعوت دے رہا ہوں۔

حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ سترہ سال کی عمر میں اسلام لائے تھے۔ مجھے ان کی یہ عمر اور جوانی یاد آتی ہے اور ان لوگوں نے کیا کیا کارنامے انجام دیئے اور آج ہمارا سترہ سال کا لڑکا کیا کرتا ہے؟ وی سی آر دیکھ رہا ہے، ابھی اللہ سے دور ہے لیکن اللہ والے اس کو اللہ سے قریب کر دیتے ہیں، بعید کو قریب کرتے ہیں اور قریب کو اقرب کرتے ہیں۔

تربیتِ روحانی

اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ایسا ہی نظام بنایا ہے، جیسے تخلیقِ جسمانی کے لئے ماں باپ کو تجویز کیا اور تخلیقِ روحانی کے لیے، اور روحانی ولادت روحانی وجود اور روحانی ایمانیات کے لیے اپنے مقبولین کی روح میں اللہ تعالیٰ وہ اثر رکھتے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے سے جب ہماری روحیں ان کی روحوں سے مصاحبت رکھتی ہیں تو ہماری روحانی تربیت ہوتی ہے۔ جو باتیں اختر پیش کر رہا ہے ان کی قدر علماء سے پوچھو۔ اسی لیے اختر کہتا ہے کہ یا اللہ! اس جانِ نحیف کو ایک کروڑ جانِ حنیف دے دے اور اپنی راہ میں قبول فرمالے۔ اللہ میری آہ کو سن لے اور سارے عالم کے سفر کے لئے اور اپنی آہ کے نشر کے لئے اللہ مجھے قوت بھی دے دے اور توفیق بھی دے دے۔ بس مجھے ایک ہی غم ہے۔

پھرتا ہوں دل میں درد کا نشتر لئے ہوئے

یہ میرا ہی شعر ہے، اپنے سفر کا راز بتا رہا ہوں، واللہ! اللہ نے مجھے کھانے پینے کو کراچی میں بہت دیا ہے، اس لیے میں جس ملک کا سفر کرتا ہوں وہاں اعلان کرتا ہوں کہ دوستو مجھے ہدیہ مت دینا، میں اللہ کی محبت کا جو درد پیش کر رہا ہوں بس اس کو قبول کرو۔

حضرت والا کا خالص دردِ محبت

بمبئی سے بعض لوگ آئے ہوئے ہیں، صوفی صاحب سے پوچھو، جتنا سفر بمبئی میں ہوا میں نے برسرِ منبر یہی اعلان کیا کیونکہ ایک دوست نے بتایا کہ جب علماء بمبئی آتے ہیں تب بمبئی والے ان کے سوٹ کیس گنتے ہیں اور جب جاتے ہیں تب گنتے ہیں، آتے وقت دیکھا کہ چھ سوٹ کیس تھے اور جاتے وقت بارہ تھے پھر لوگ باتیں بناتے ہیں کہ مولوی بمبئی کو لوٹ کرلے گیا۔ لیکن سن لو! اختر کو کراچی میں کھانے پینے کو بہت ہے، کوئی صاحب مجھے ہدیہ نہ دیں لیکن اختر جو دردِ محبت منبر سے نشر کررہا ہے، اس کی قدر کرو، یہ سودا بڑی مشکل سے ملتا ہے، یہ مال و دولت سے نہیں ملتا، جان کے لالے پڑتے ہیں، پاؤں میں چھالے پڑتے ہیں تب کہیں اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا درد دیتا ہے اور اصل تو اس کا احسان و فضل و کرم ہے ورنہ ہماری مٹی کی کیا حقیقت ہے ؎

یہ اخترؔ خاک و تیرہ بے زباں بے سروساماں ہے
مگر مٹی پہ بھی فیضِ شعاعِ مہرِ تاباں ہے
ہمیں احساس ہے تیرے چمن میں خار ہے اخترؔ
مگر خاروں کا پردہ دامن گل سے نہیں بہتر
چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گل تر کے
تعجب کیا چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

تو اللہ والوں کے ساتھ ہمیشہ لگا لپٹا رہا، دنیا میرے باطن کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی، نہ میں دعویٰ کرسکتا ہوں لیکن دنیا اس کی شہادت تو دے سکتی ہے کہ جوانی سے لے کر آج تک میں اللہ والوں سے بے نیاز نہیں رہا اور یہ بھی نہیں کہ دور دور سے تعلق تھا، شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے ساتھ تو میں مسلسل سترہ سال دن

رات رہا ہوں، ان کے تہجد اوران کی آہ وزاری، ان کی اشکباری کے ساتھ اختر رہا ہے، ان کا راتوں کو اٹھ کر اللہ سے رونا، ہر دو رکعات کے بعد سجدہ میں بہت رونا، یہ سارا کچھ اختر دیکھ چکا ہے۔ اس لئے میں عرض کررہا تھا ؎

پھرتا ہوں دل میں درد کا نشتر لیے ہوئے
صحرا و چمن دونوں کو مضطر کیے ہوئے

اللہ! میری زبان میں اثر ڈال دے، اُس کا فضل میرے دل پر ہو پھر دیکھو! ان شاء اللہ! صحرا میں بھی اور آبادی میں بھی دونوں جگہ میں جو کچھ عرض کرتا ہوں، تو اللہ کا شکر ہے الحمدللہ، مزہ آجاتا ہے مجھ کو بھی اور سامعین کو بھی، میری زبان کو بھی مزہ آتا ہے اور سننے والوں کے کانوں کو بھی لطف آجاتا ہے کیونکہ تمام لذتوں کے خالق کا تذکرہ ہوتا ہے، تو کیا ساری کائنات، جنت، دونوں جہان کی لذتوں کے خالق کا ذکر گرما گرم نہیں ہوگا؟ (ایک صاحب نے اشعار سننے کی شرائط معلوم کیں تو فرمایا)

اشعار سننے کی چار شرائط

چار صورتوں سے اشعار کا سننا جائز ہے۔ سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اور علامہ شامی ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ شامی میں اشعار سننے کی یہ چار شرطیں لکھی ہیں یعنی سامع اہلِ ھویٰ نباشد، مضمون خلافِ شرع نباشد، آلۂ لہو ولعب نباشد، اور مسمع کودک و زن نباشد۔ نمبر ۱، شعر کا مضمون توحید وسنت کے خلاف نہ ہو۔ نمبر ۲، اشعار کے مضمون کے ساتھ طبلہ سارنگی نہ ہو۔ نمبر ۳، شعر پڑھنے والا حسین لڑکا یا لڑکی نہ ہو۔ نمبر ۴، سننے والے اہلِ ھویٰ نہ ہوں۔ سننے والے اہل خواہش نہ ہوں یعنی عشقِ مجازی میں مبتلا نہ ہوں ورنہ ان کو اللہ کے عشقیہ مضمون سے بھی وہی حرام عشق ہی یاد آئے گا۔

جعلی پیروں کا فتنہ

آج جتنی جعلی خانقاہیں ہیں وہاں عورتیں قوالی پڑھ رہی ہیں، حسین امرد پڑھ رہے ہیں اور سب فتنے ہو رہے ہیں۔ انڈیا میں سلون ضلع رائے بریلی میں ایک پیر ہے، اس کے دائیں طرف ایک عورت اور بائیں طرف ایک عورت اور خود ازار بند پکڑے ہوئے، اب وہ ہر وقت عورتوں کی قوالی سنتے ہیں، ان کا ایک مرید مجھے کراچی میں ملا۔ میں نے کہا تم اس پیر کا نام لیتے ہو جس کا فتنہ میں جانتا ہوں کہنے لگا لیکن ازار بند پکڑے رہتے ہیں، بڑا مضبوط رہتا ہے ازار بند ان کا، اب دیکھئے شیطان بھی کیسا مرید کو معتقد بناتا ہے۔ ایک عورت اِدھر ایک عورت اُدھر ازار بند پکڑے ہوئے، دکھانے کے لئے کہ یہ ازار بند کے پکّے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا پھر بھی اس سے بیعت توڑ دو کیونکہ نامحرم عورتوں میں بیٹھنا یہ بھی تو حرام ہے، ازار بند کتنا ہی پکا ہو تمہیں کیا معلوم کہ اس وقت تمہارے سامنے ازار بند پکڑے ہوئے ہیں اور اندر کیا کرتے ہیں۔ عورتوں کے درمیان میں پیر کو بیٹھنا حرام ہے۔ تو اس نے کہا کہ اگر میں بیعت توڑوں گا تو وہ میری ٹانگ توڑ دے گا، بڑا جلالی پیر ہے، سلون سے وظیفہ مارے گا اور کراچی بھیجے گا۔ تو میں نے کہا کہ اچھا پہلے میں اپنی ٹانگ پیش کرتا ہوں، اگر وہ توڑے گا تو پہلے میری ٹانگ توڑے گا، تم بالکل اطمینان رکھو، اگر وہ ٹانگ توڑنے کا وظیفہ لائے گا تو میں اپنی ٹانگ پیش کر دوں گا۔ پھر میں نے اس کو ایک بڑے مفتی صاحب سے بیعت کرا دیا۔ میں بیعت کرتا تو اس کو شبہ ہو جاتا کہ اچھا اس لئے میرے پیر سے بیعت ختم کرائی۔ بہرحال نہ اس کی ٹانگ ٹوٹی نہ میری۔ آٹھ دس سال مزید حیات رہے اور خاتمہ بھی ایمان پر نصیب ہوا۔ ماشاء اللہ۔

تو میں نے اشعار سننے کی شرطیں عرض کر دیں کہ ان چار شرطوں کے

ساتھ اشعار سننا جائز ہے۔ یعنی آلۂ لہو ولعب مثلاً طبلہ سرنگی نہ ہو، مضمون خلافِ شرع نہ ہو، سننے والے نیک لوگ ہوں، اور پڑھنے والا حسین شکل کا نہ ہو، مگر شکل کی مشکل کو ہم دیر سے دور کرتے ہیں۔ اس لئے عرض کرتا ہوں ؎

کچھ نہ پوچھو ان حسینوں سے بڑی مشکل میں ہوں
شکل سے اشکال میں اشکال سے مشکل میں ہوں

یہ عربی گرامر ہے، شَکَلَ کو باب افعال میں لے گئے، اَشْکَلَ یُشْکِلُ جیسے اَکْرَمَ یُکْرِمُ مُکْرِمٌ، اَشْکَلَ یُشْکِلُ مُشْکِلٌ۔ مشکل میں جان پھنستی ہے ان شکل والوں سے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے بچائے، یہ حسین جو چل پھر رہے ہیں، ان سے نظر بچا کر گذر جاؤ تو بس پھر اللہ کے قرب کی بہار ہی بہار ہے۔ یہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت ہے میری نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس بس یہی ایک مضمون ہے۔ میں نے کہا کہ دیکھ لو مولانا رومی چھ سو سال پہلے کیا فرما رہے ہیں ؎

گر ز صورت بگذری اے دوستاں
گلستان است گلستان است گلستاں

اے دوستو! اگر تم صورت پرستی سے باز آجاؤ پھر اللہ کے قرب کا باغ ہی باغ نظر آئے گا۔ یہ حسین وہ لاسہ، گوند ہیں جن سے شیطان سالک کی روح کو چپکا دیتا ہے، جس سے روح کی چڑیا اللہ تک پہنچنے سے معذور ہو جاتی ہے اور پھڑ پھڑاتی رہتی ہے لیکن اللہ تک جا نہیں پاتی، یہ شکلیں اللہ کے قرب سے محروم کر دیتی ہیں۔

جو لوگ قدر دان ہیں ان سے پوچھو میری باتیں ؎

قدر مجذوب کی خاصانِ خدا سے پوچھو
شہرۂ عام تو اک قسم کی رسوائی ہے

اس فقیر کی گذارشات پر سالکین وجد کرتے ہیں کیونکہ وہ خود اس راستہ سے

گذر رہے ہیں، عبور کر رہے ہیں۔ بوڑھے لوگوں سے بھی پوچھ لو اور جوانوں سے بھی پوچھ لو، اس مجمع میں ہر قسم کے لوگ ہیں کہ میری ان باتوں سے سب کو فائدہ ہوتا ہے۔

مشاہدہ بقدرِ مجاہدہ

جس کو حسن کا بچپن سے میلان ہو تو یہ میلان تو بُرا نہیں ہے، یہ تو فطری چیز ہے بس اس تقاضا پر عمل نہ کرو، جس کا جتنا شدید تقاضا ہوگا، اتنا ہی زیادہ مشاہدہ ہوگا، یہ قاعدہ کلیہ بتا رہا ہوں کہ جس کے قلب میں بچپن سے حسینوں کی طرف شدید میلان ہوتا ہے، تو اس کو روکنے میں غم بھی زیادہ اٹھانا پڑتا ہے، لہٰذا جو عاشق مزاج ہے اور حسن کی طرف شدید میلان ہوتا ہے تو اس کو روکنے کے لئے مجاہدہ شدید ہوتا ہے اور جیسا مجاہدہ ہوگا ویسا مشاہدہ ہوگا، پھر نور بھی اتنا ہی قوی بنتا ہے، جو بندہ جتنا غم اٹھاتا ہے، اللہ اس بندہ کو اسی قوت کا نور عطا کرتے ہیں، جیسے اس نے نظر بچانے میں سو ڈگری غم اٹھایا تو اللہ سو ڈگری کا نور عطا کرے گا اور ایک آدمی جس کے اندر عشق کا مادّہ ہی نہیں ہے، جو بزنس مین بن گیا ہے، ہلدی دھنیا مرچ بیچتا رہتا ہے وہ عشق کے رموز جانتا ہی نہیں تو تاجر میں اور عاشق میں بہت فرق ہے، تجارت اور محبت میں بہت فرق ہے، محبت بغیر پیسہ بکتی ہے، بغیر کسی کی غلامی کے غلامی اختیار کرتا ہے، خود کو بلا معاوضہ غلامی میں پیش کرتا ہے۔

شیخ کی ریا مرید کے اخلاص سے افضل ہے

اچھا دیکھو بعض وقت میں ریا اخلاص سے افضل ہوجاتی ہے، ریا چپکتی نہیں ہے، ریا ارادہ سے کی جاتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے لئے کوئی نیک کام کرتا ہے، اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے،

لیکن ایک دوسرے آدمی نے جلدی سے وضو کیا اور بغیر کسی ریا و عدمِ ریا کی نیت کے نماز پڑھ لی یعنی مخلوق کو دکھانے کا خیال نہیں آیا، تو یہ بھی اخلاص میں شامل ہے اگرچہ اس کو خالق کا استحضار بھی نہیں ہوا، لیکن مخلوق سے عدمِ استحضار، خالق کے استحضار میں شامل کرلیا گیا۔ یہ ہیں حکیم الامت کے علوم! دیکھو دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں مخلوق اور خالق، جب مخلوق ہٹ گئی تو خالق خود بخود آ گیا۔

تو اللہ ہمیں اپنی ایسی محبت دے جیسے سلطان ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی محبت میں آدھی رات کو حکومت چھوڑ دی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کس انداز سے تعبیر کیا ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا ؎

شاہی و شہزادگی در باختہ
از پئے تو در غریبی ساختہ

اے خدا! آج بادشاہ وقت شاہی و شہزادگی کو آپ کی محبت میں کھیل گیا، محبت کے کھیل میں وہ ہار گیا، اس نے آپ کی محبت میں سلطنتِ بلخ ہار دی اور آپ کی محبت میں غریب الوطن ہو گیا۔ پھر وہ حدودِ سلطنت سے نکل گئے اور غارِ نیشاپور میں جا کر عبادت شروع کر دی۔

تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ اللہ ہمیں اپنی ایسی محبت دے کہ ہم اپنی حیات کو اور خواہشات کو اللہ پر فدا کر دیں، اس سے بہتر کیا زندگی ہے؟

سرکاری فقیر

ہم سب سرکاری فقیر ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللہِ﴾

(سورۃُ الفاطر، آیت:۱۵)

اسی لیے اگر کسی انسان سے کام ہو تو اللہ سے مانگ کر جاؤ، پہلے براہ راست اس

سے مت مانگو، پہلے اللہ سے مانگو، اللہ تعالیٰ سے فریاد کرو کہ میں آپ کے فلاں بندہ کے پاس کام سے جارہا ہوں، آپ اس کے دل میں ڈال دیجئے، اللہ تعالیٰ سے ہر وقت حالتِ ربط میں رہنا چاہیے کیونکہ ایک سانس میں بھی حالات بدل سکتے ہیں۔اسی لئے حدیثِ پاک میں یہ دعا سکھائی گئی ہے:

((وَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ))

(السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب ما یقول اذا امسیٰ، ج:۶، ص:۱۴۷)

اے اللہ مجھے اتنا بھی نفس کے حوالہ نہ فرما جتنا پلک جھپکنے کا وقت ہوتا ہے، پھر دیکھو ہر وقت اللہ کا قرب، اللہ سے فریاد بھی کررہے ہیں اور حاجت روائی بھی ہورہی ہے، بندہ کا فریاد اور مناجات کا تعلق بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے، بندگی بھی مضبوط ہورہی ہے، خدائی برس رہی ہے اور بندگی مضبوط ہورہی ہے، اللہ کی رحمت کی بارش ہورہی ہے۔

مومن کی حیات اللہ کے نام میں ہے

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ؎

اللہ اللہ ہے تو گویا جان ہے
ورنہ یارو جان بھی بے جان ہے

جان جو ہے وہ نان اور پان سے نہیں ہے، مومن کی جان اللہ کے نام سے زندہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جان ابھی نکل جائے تو ہمیں پان کھا کر دکھاؤ، چائے پی کر دکھاؤ، انڈا کھا کر دکھاؤ، معلوم ہوا کہ جان کی بدولت مزے اڑارہے ہیں لیکن جان بنتی ہے جانِ جاناں سے، جان میں جان جب آتی ہے جب خالقِ جان سے رابطہ ہو ورنہ حیات بہیمانہ ہوتی ہے، حیوانی زندگی اور مردہ میت ہوتی ہے۔ دیکھو! قرآن ثبوت پیش کرتا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے

ایمان لانے کے بعد ایک آیت نازل ہوئی:

﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ﴾

(سورۃ الانعام، آیت:۱۲۲)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے چچا مردہ تھے، مَيْتًا معنی میت، ہم نے ان کو حیات دی ایمان کے ساتھ، جب ایمان عطا ہوا تو حیات ملی، ہماری ذات سے ان کی روح وابستہ ہوئی تو حیات عطا ہوئی اور روح میں روح آ گئی، اللہ فرماتے ہیں کہ:

﴿وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾

(سورۃ المجادلۃ، آیت:۲۲)

میں نے صحابہ کو اپنی روح، اپنے تعلق سے فیض بخشا، یہاں روح بمعنی فیض کے ہیں۔

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اللہ نے صحابہ کی ارواح کو اپنے فیضانِ غیبیہ سے تائید بخشی پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں روح کا لفظ کیوں نازل فرمایا؟ روح سے مراد نورِ قلب، سکینہ ہے، نسبت ہے۔ چونکہ اسی سے قلب کی حیات ہے اس لئے روح کا لفظ نازل فرمایا (تفسیر بیان القرآن ج ۳، ص ۵۲۶۔ ناشر مکتبہ رحمانیہ۔ لاہور)

تاکہ معلوم ہو جائے کہ جب وہ آتے ہیں تو جان میں جان محسوس ہوتی ہے، اس لیے اللہ نے اپنے فیض کو روح سے تشبیہ دی یعنی اگر ہمارا فیض تمہارے اوپر سایہ فگن ہوگا تو تم اپنی روح میں ایک نئی روح محسوس کرو گے، جان میں جان آ جاتی ہے۔

تو سماع کی چار شرطیں بتا دیں یعنی سامع اہل ھویٰ نباشد یعنی سننے والے اہلِ ھویٰ، نفس پرست نہ ہوں۔ مسمع کودک و زن نباشد، سنانے والا نہ عورت ہو نہ بے ریش لڑکا ہو اور مضمون خلافِ شرع نباشد اور آلۂ لہو و لعب نباشد اس میں طبلہ و سارنگی وغیرہ نہ ہو۔ اب آپ بتایئے ایسے سماع کو کون ناجائز کہے گا

ورنہ صوفی لوگ سب مثنوی مولانا روم سننا چھوڑ دیں۔ حالانکہ مولانا رومیؒ کے شیخ حضرت شمس الدین تبریزیؒ فجر پڑھ کر ظہر تک مراقبہ میں رہتے تھے اور آتشِ عشقِ حقیقی سینہ میں سلگتی رہتی تھی۔ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا مانگی تھی کہ اے خدا! کوئی ایسا سینہ عطا کر دے کہ اپنے سینے سے آپ کی محبت کی امانت کو اس میں منتقل کر دوں کیونکہ شمس الدین تبریزی کو اپنی رحلت کے آثار نظر آ رہے تھے کہ اگر میں قبر میں دفن ہو گیا تو تیری محبت کی امانت بھی میرے ساتھ ہی دفن ہو جائے گی بہرحال اللہ نے ان کی امانت مولانا رومی کے سینہ میں منتقل کر دی اور ان کی زبان سے اپنی محبت میں ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار کہلوائے، ان ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار میں وہ آگ منتقل ہوئی جس کو شمس الدین تبریزی نے اللہ سے مانگا تھا۔ خواجہ صاحب کا شعر ہے ؎

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت

اک خانہ بہ خانہ ہے اک سینہ بہ سینہ ہے

نورِ باطن اہل اللہ کے سینوں سے ملے گا

ایسے ہی قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مالا بدمنہ'' میں لکھا ہے کہ دیکھو بھئی اب تم نے ظاہر میں تو کچھ پڑھ لیا لیکن انوارِ باطن صلی اللہ علیہ وسلم ازسینۂ درویشاں باید جست۔ یہ کون لکھ رہا ہے؟ جو وقت کا امام بیہقی ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے وقت کے امام بیہقی تھے، ایک محدّث کسی کے بارے میں یہ بات کہہ دے تو یہ معمولی بات نہیں ہوتی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری کے مصنف تھے مگر انہوں نے اپنی تفسیر میں اپنا نام نہیں آنے دیا، اپنے شیخ حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر تفسیرِ مظہری رکھا، اپنے نام پر تفسیرِ ثنائی نام

نہیں رکھا بلکہ شیخ کے نام پر تفسیرِ مظہری رکھا حالانکہ ان کی تفسیر قابلِ وجد ہے، انوارِ باطن سے معمور ہے۔ یہ عارف باللہ حضرات جب تفسیر کے لئے قلم اٹھاتے ہیں تو اس کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کی تفسیر

ایک نمونے کے طور پر اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کی تفسیر سناتا ہوں۔ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

اَنْتَ اَرْحَمُ اِلَیْنَا مِنْ اَنْفُسِنَا عَلَیْنَا

(التفسیر المظہری: ج۳،ص۴۳۹)

یعنی اگر ہماری جانوں کو اپنے اوپر رحم کرنے کا اختیار دے دیا جائے اور وہ اپنے اوپر جتنا رحم کرسکتی ہوں تو اے خدا! آپ اس سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والے ہیں۔ بتایئے کیا زبردست تفسیر ہے کہ ہمارے نفس، ہماری جانیں، ہماری ارواح اور قلوب یہ سب کے سب طے کرلیں کہ ہم کو اپنے اوپر اتنی رحمت کرنی ہے تو بھی اللہ ہم پر کتنا رحم کریں گے یہ ہم سوچ ہی نہیں سکتے کیونکہ مخلوق اپنے اوپر سوچ کر جو رحم کرے گی وہ محدود ہوگا، محدود کی سوچ بھی تو محدود ہوتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ غیر محدود رحمت سے نواز سکتے ہیں اور اس کا تحمل بھی عطا کرسکتے ہیں۔

اللہ والوں کا درس

تو یہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہ ظاہر تو فتاویٰ سے مل جائے گی لیکن انوارِ نسبت کا جو فیضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صحابہ میں منتقل ہوا تھا، جو تعلق مع اللہ اور یقین باللہ ان کے سینوں میں منتقل ہوا تھا، اس کے لئے مصاحبت اور مجالست کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی لکھتے ہیں کہ اے اہلِ فتاویٰ اور اے اہلِ فقہ اور علمائے دین! تم اپنے علم پر ناز مت کرو،

نسبتِ صوفیاء غنیمتِ کبریٰ است، اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ اپنا جو تعلق عطا کرتے ہیں، اس کو غنیمتِ کبریٰ یعنی مالِ غنیمت سمجھو، اس کے بعد تمہارے علم میں چار چاند لگ جائیں گے۔ اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

درسِ شاں آشوب و چرخ و زلزلہ
نے زیادات است و باب وسلسلہ

جب کوئی اللہ والا درس دیتا ہے، تو آشوب میں خود بھی مبتلا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی رُلا دیتا ہے یعنی ان کی روح کو گردش میں لاتا ہے اور قلب میں زلزلہ پیدا کر دیتا ہے اگرچہ وہ زیادات باب وسلسلہ اور کتابیں نہ پڑھا سکے۔ تو اللہ تعالیٰ کے تعلق کو یوں سمجھ لیجئے کہ آپ نے ایک رس گلہ خریدا، کسی ڈاکٹر نے انجکشن سے اس کا سارا رس نکال دیا، تو اب اس میں رس ہے ہی نہیں۔ رس گلہ اصل میں مرکب لفظ ہے مفرد نہیں ہے، رس گلہ اصل میں گولۂ رس تھا، اضافتِ مقلوبی سے گولہ رس، پھر رس کا گولہ پھر رس گلہ ہو گیا لیکن اگر رس گلہ میں رس نہ ہو تو اس گولے کو کھا کر کوئی کیا کہے گا؟

علماء کی ناقدری کی وجہ

آج لوگ یہ کہتے ہیں کہ مولوی کی کوئی عزت نہیں ہے، مولویوں کو لوگ نفرت سے دیکھتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے اس مولوی کے گولہ میں رس نہیں ہے، ورنہ میں واللہ کہتا ہوں کہ جس مولوی نے کسی اللہ والے کی جوتیاں اٹھالیں، اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک ذرّہ درد عطا ہو گیا تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ کبھی ذلیل ہوا ہو، لوگوں نے اس کو ذلت کی نظر سے دیکھا ہو۔ اسی لئے لوگ اللہ والوں سے تسخیر کا عمل پوچھتے ہیں کہ تسخیر کا ایسا تعویذ دے دو کہ ہر آدمی مسخر ہو جائے۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تسخیر کے لئے کسی تعویذ کی

ضرورت نہیں ہے، بس ایمان لاؤ، اعمالِ صالحہ کرو، تو ایمان اور اعمالِ صالحہ کی برکت سے تم اللہ تعالیٰ کے محبوب کر دیئے جاؤ گے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا﴾

(سورۃ مریم، آیت:۹۶)

مخلوق میں تمہاری محبت پیدا ہوگی اور تم جو بات کہو گے تو چونکہ اس میں رس بھرا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا درد بھرا ہوگا، لہٰذا کانوں کے ذریعہ سے لوگوں کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی مٹھاس داخل ہوگی، ایمان کی حلاوت حاصل ہوگی، امت درخواست کرے گی کہ ابھی اور سنایئے اور آپ کہیں گے ؎

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
ہم ہی تھک گئے داستاں کہتے کہتے

ہر شیخ کامل اپنے فن میں مجتہد ہوتا ہے

ہم لوگوں کا مرض یہ ہے کہ ہم درسِ نظامیہ کے لئے دس سال تو نکال لیتے ہیں مگر اصلاحِ اخلاق کے لئے چھ مہینے بھی مشکل لگتے ہیں، چھ مہینہ تو کیا چالیس دن بھی کسی اللہ والے سے اپنے اخلاق کی اصلاح کرالو، توکّل، قناعت، صبر، وضع داری سیکھ لو، یہ نہیں کہ جگہ جگہ ذرا سی بات پر پیسوں پر بک جاؤ، تو یہ سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں اہل اللہ کی صحبت میں اپنے نفس کو فنا کرنے سے۔ اہل اللہ شریعت میں فنا نہیں کرتے کہ مغرب کی تین رکعات ساڑھے تین کروادیں، لیکن اصلاحِ اخلاق میں جو مرض کا علاج بتائے اس میں وہ مجتہد ہوتے ہیں، ہر شیخ اپنے فن میں مجتہد ہوتا ہے کیونکہ حالات کے لحاظ سے علاج بدل جاتا ہے، پہلے زمانہ کے لحاظ سے وظیفے زیادہ ہوں گے، لیکن اُس زمانہ کا وظیفہ اگر آج بتا دیا جائے تو سب پاگل ہو جائیں گے کیونکہ اب تو میڈ اِن ڈالڈا

قلوب ہیں، اگر کسی کو موت کا مراقبہ زیادہ کرایا جائے تو پاگل ہو کر بیوی بچوں کو چھوڑ دے گا، دکان بھی بند کر دے گا، کہے گا بس ہر وقت موت نظر آرہی ہے کیونکہ اس زمانہ میں دل اور اعصاب کمزور ہو گئے ہیں۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن کے دل کمزور ہیں ان کے سامنے موت کا ذکر بھی نہ کرو، یوں کہو کہ اس عارضی زندگی کو ایک دائمی زندگی عطا ہونے والی ہے۔ سبحان اللہ! اس جملہ میں کہیں موت کا نام آیا؟ اس عارضی حیات کو دائمی حیات عطا ہونے والی ہے، لہٰذا عارضی حیات کو اعمالِ صالحہ سے دائمی حیات کے لئے تیار کرو۔

زمانے کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے

راولپنڈی کے قریب ٹیکسلا میں ایک جگہ میرا بیان ہوا تو ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ موت یا دوزخ وغیرہ کا تذکرہ کر دیتے، تو میں بھاگ جاتا، آپ نے صرف اللہ کی محبت کی بات کی اس لئے میرے دل پر کوئی برا اثر نہیں پڑا کیونکہ ڈاکٹر نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارا دل کمزور ہے، اختلاج ہونے لگتا ہے۔ اب آپ بتایئے کتنا فرق ہوا اس زمانہ میں۔ پہلے زمانہ میں ہر سال خون نکلوایا جاتا تھا اور اب یہ زمانہ ہے کہ ذرا ذرا سی بیماری میں خون چڑھوایا جاتا ہے تو دونوں زمانوں کے علاج میں کتنا فرق ہوگا؟ ایک خون چڑھوانے کا زمانہ اور ایک خون نکلوانے کا زمانہ۔ پہلے اتنا خون بنتا تھا کہ اگر خون نہ نکلوائیں تو لوگوں کے سر میں درد رہنے لگتا تھا، تو ہر سال ان کو خون نکلوانا پڑتا تھا۔ صحابہ کرام کے حالات میں دیکھ لو، اس زمانے کا علاج یہی تھا، فصد لگوانا، پچھنا لگوانا، اب یہ حال ہے کہ ذرا سا بخار یا بیماری بڑھی اور خون گھٹ گیا، اب خون چڑھاؤ، لہٰذا ذکر میں سہولت دینی چاہیے۔

پہلے زمانہ میں چوبیس ہزار مرتبہ اللہ اللہ کا ذکر بتایا جاتا تھا، مگر میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں سو مرتبہ یعنی ایک تسبیح اللہ اللہ کا ذکر اس طرح بتاؤں گا کہ اس میں چوبیس ہزار کا اثر ہوگا اور مجھ سے فرمایا کہ مجھے خواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ عطا فرمایا ہے کہ ایک سو مرتبہ میرے طریقہ پر اللہ اللہ کہہ دو انشاء اللہ تمہیں چوبیس ہزار کا اثر ایک سو میں مل جائے گا، اور جذب تو اللہ کو کرنا ہے، وظیفوں سے کوئی اللہ تک نہیں پہنچ سکتا، یہ وظیفے اسباب تو ہیں مگر اللہ تک پہنچنے کے لئے علت نہیں ہیں، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ اپنے غیر محدود راستہ کو اپنے غیر محدود جذب سے طے کراتا ہے تب سالک اللہ تک پہنچتا ہے، ہمارا ذکر چاہے چوبیس ہزار دفعہ ہو چاہے ایک لاکھ دفعہ، ہے تو محدود جبکہ خدا کا راستہ غیر محدود ہے۔

نسیم قربِ الٰہی کے جھونکے اہل اللہ کی مجالس ہیں

تو اللہ کا جذب فضل سے ملتا ہے اور یہ فضل اہل اللہ کی مجالس میں ملتا ہے۔ اب اس کی دلیل کیا ہے؟ دلیل علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں نقل کی ہے:

((اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْٓ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لَھَا لَعَلَّہٗ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ نَفْحَۃٌ مِّنْھَا فَلَا تَشْقَوْنَ بَعْدَھَا اَبَدًا))

(الجامع الصغیر لسیوطی، ج:۱،ص:۹۵)

تمہارے لئے اللہ کی طرف سے تمہارے زمانہ میں رحمت کے جھونکے، نسیم کرم آتی ہیں۔ بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ اللہ کے کرم کی ہوائیں، مہربانی کی ہوائیں وہ جذب کر لیتی ہیں۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح میں اس کا ترجمہ کیا ہے کہ نفحات بمعنی جذبات کے ہیں، قرآن پاک میں ہے:

﴿اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ﴾

(سورۃ الشوریٰ، آیت:۱۳)

یعنی اللہ کی جو جذباتی اور برقیاتی لہریں ہیں، وہ تمہیں جذب کرلیں گی، پھر تم بزبانِ حال یہ شعر پڑھو گے ؎

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

حکیم الامت نے ''التشرف فی احادیث التصوف'' میں نفحات کا ترجمہ کیا ہے اَلتَّجَلِّیَاتُ الْمُقَرِّبَاتُ اللہ کے قرب کی وہ تجلیات جو تمہیں اللہ سے جوڑ دیں۔ جیسے گوند میں مخلوق ہوکر چپکانے کا مادّہ ہے تو اللہ کی رحمت میں کیا شان ہوگی، وہ جس کو اپنی طرف چپکانا چاہیں گے وہ ایسا چپکے گا کہ ساری دنیا اسے خدا سے نہیں چھڑا سکتی، وہ شہید تو ہوسکتا ہے، مگر اللہ کے راستہ سے اس کو کوئی طاقت ہٹا سکتی نہیں، کائنات اپنے ایٹم بم سے، اپنی مشین گنوں سے اپنی بندوق سے اللہ والوں کو شہید تو کرسکتی ہے مگر جس کو اللہ اپنے سے چپکائے اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔

اہل اللہ کی مصاحبت میں رہنے والا کبھی شقی نہیں ہوتا

تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم وہ نفحات جو غیب سے آتے ہیں پا گئے تو تمہیں کیا فائدہ ملے گا فَلَا تَشْقَوْنَ بَعْدَهَا اَبَدًا اس کے بعد تم کبھی بدبخت نہیں ہوگے، تمہاری قسمت اچھی ہوجائے گی، تمہاری شقاوت، سعادت سے بدل جائے گی۔ مگر رحمت کی یہ ہوائیں ملتی کہاں ہیں؟ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اختر کو بتادیا کہ رحمت کی یہ جو ہوائیں ہیں جس سے بندہ اللہ کی طرف جذب ہوجاتا ہے اور خدا کی شانِ اجتباء کا اس پر نزول ہوتا ہے جس کے بغیر سلوک طے نہیں ہوسکتا، جیسا کہ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ ابلیس سالک تو تھا مگر اس کو

جذب حاصل نہیں تھا، اگر اس کو جذب ہوتا تو پھر یہ گمراہ نہیں ہوسکتا تھا، اللہ کے کھینچے ہوئے کو اس کا نفس بھی برباد نہیں کرسکتا، اگر وہ اپنے لیے ارادہ بھی کرلے کہ میں اپنے کو برباد کردوں، فلاں گناہ کرلوں، تو وہ اس پر بھی قدرت نہیں پاسکتا۔

بھلاتا ہوں پھر بھی وہ یاد آرہے ہیں

جس کو اللہ یاد کرتا ہے وہ اگر خدا کو بھلانا بھی چاہے تو بھلانے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ تو جذب کے بعد مقبولیت قطعی ہوجاتی ہے، حسن خاتمہ قطعی ہوجاتا ہے، گمراہی کا خطرہ ختم ہوجاتا ہے، اس لئے حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ ابلیس جو تھا یہ ظالم سالکِ محض تھا، مجذوب نہ تھا، اللہ نے اس کو جذب نہیں کیا تھا۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ جذب کی یہ نعمت ملتی کیسے ہے؟ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل جو ہمیں اپنا بنالے اور ہم کو جذب کرلے، یہ نعمت کہاں ملے گی؟ ایک حدیث نے اس کا زمانہ تو بتادیا، مگر اس کا مکان بھی تو ملنا چاہیے جہاں یہ ہوا مل جائے۔ اب حدیث نے زمانہ تو بتادیا کہ

فِیۡ اَیَّامِ دَھۡرِکُمۡ

تمہارے دن اور رات میں اللہ کی رحمت کی خاص ہوائیں چلتی رہتی ہیں، اگر تم اس کو پاجاؤ تو کبھی بدبخت اور نامراد نہیں ہوگے، ہمیشہ کے لئے کامیاب ہوجاؤ گے، فَلَا تَشۡقَوۡنَ بَعۡدَھَا اَبَدًا مجھے اس کی تلاش تھی کہ یا اللہ! زمانہ کا تو پتہ چل گیا مگر یہ ہوائیں کہاں ملیں گی کوئی مکان بھی تو ہونا چاہیے، ایک دن بخاری شریف کی حدیث دیکھ رہا تھا:

((ھُمُ الۡجُلَسَآءُ لَا یَشۡقٰی جَلِیۡسُھُمۡ))

(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزّ وجلّ، ج:۲، ص:۹۴۸)

ارے میں نے کہا کہ میں مکان بھی پا گیا کہ یہ اہل اللہ کی مجالس ہیں، ان کے پاس بیٹھنے والوں کی شقاوت کو اللہ تعالیٰ سعادت سے بدل دیتے ہیں۔

حدیث قدسی کی تعریف

دیکھ لو یہ حدیثِ قدسی ہے اور حدیثِ قدسی کی تعریف ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے،

هُوَ الْكَلَامُ الَّذِيْ يُبَيِّنُهُ النَّبِيُّ بِلَفْظِهٖ وَيُنْسِبُهٗ اِلٰى رَبِّهٖ

(مرقاۃ، ج۱، ص۱۷۸)

کلام زبانِ نبوت سے ادا ہو مگر نبی اس کلام کی نسبت اللہ کی طرف کر دے کہ یہ اللہ نے فرمایا ہے، اس کا نام حدیثِ قدسی ہے۔

اہل اللہ کی مجالس مردودیت سے حفاظت کی ضامن ہیں

اب دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **هُمُ الْجُلَسَآءُ** میرے مقبول بندوں کی شان یہ ہے **هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ** ان کے پاس بیٹھنے والے شقی نہیں رہتے ہیں اور نہ آئندہ رہ سکتے ہیں۔ کیوں صاحب اس جملہ میں حال و استقبال یعنی مضارع کا زمانہ پایا جاتا ہے کہ نہیں؟ جو لوگ عربی جانتے ہیں انہیں علم ہے کہ فعلِ مضارع میں دو زمانے کا ہونا لازم ہے، ایک موجودہ زمانہ یعنی حال، تو تمہاری موجودہ شقاوتیں اور نالائقیاں بھی درست ہو جائیں گی اور آئندہ بھی تم شقی نہیں ہو گے، یعنی حسنِ خاتمہ تمہارا مقدر ہو جائے گا۔ اب یک زمانہ صحبتے با اولیاء کو بخاری کی اسی حدیث سے حل کر لو کہ تھوڑی دیر اللہ والوں کی صحبت سو برس کے اخلاص کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ شیطان نے سو برس سے کہیں زیادہ عبادت کی تھی مگر مردودیت سے نہیں بچ سکا۔ یہ حکیم الامت کے الفاظ ہیں ''حسن العزیز'' میں دیکھ لیجئے کہ ابلیس ہزاروں سال کی عبادت کے باوجود مردودیت سے نہیں بچ سکا، لیکن جو اللہ والوں کے صحبت یافتہ ہیں ان سے گناہ تو صادر ہو سکتا ہے

لیکن انہیں توفیقِ توبہ بھی عطا ہوجاتی ہے اور وہ مردودیت سے بچ جاتے ہیں۔

دعا کرلیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہماری قیامت تک آنے والی نسلوں کو جذب فرما کر اپنا بنالیں، ہماری شقاوت کو سعادت سے بدل دیں، ایک لمحہ بھی اپنی نافرمانی میں مبتلا ہونے سے بچالیں۔ اللہ ہمارے دونوں جہان بنادے، دنیا بھی دے دے اور آخرت بھی دے دے، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَآ
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى
خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ
بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰاحِمِيْنَ